وجدانیات

سراج مچھلی شہری

Scanned with CamScanner

انتساب

۱۔ استاذی حضرت اصغر گونڈوی
۲۔ مرشدی عارف باللہ مصلح الامت مولانا وصی اللہ الاعظمی
۳۔ مرشد الکل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
رحمہم اللہ کے

فیوضِ تربیت

اور

۱۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی
۲۔ غریقِ بحر توحید حضرت سید علاء الدین احمد صابر کلیری
رحمہم اللہ کے

فیوضِ روحانیت

کے نام

سیہ کار
سراج مچھلی شہری

Scanned with CamScanner

مکتوب گرامی عالیجناب مولانا الحاج عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہ

مورخہ ۱۰/مارچ ۱۹۶۹ء — دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی یوپی

مکرم۔ وعلیکم السلام!

سخت شرمندہ و محجوب ہوں کہ آپکو زحمتِ انتظار ہفتوں کی نہیں مہینوں کی اٹھانی پڑی۔ فرمائش اس کم ظرف کے ظرفِ تحمل سے بڑھکر تھی۔ سوچتا رہا کہ عنوانِ معذرت کیا ایسا اختیار کروں جس سے آپکی دلشکنی بھی نہ ہونے پائے۔ مہینوں گزر گئے اور ایسا عنوان کوئی نہ سوجھا۔ لفافہ بدستور میز پر پڑا رہا۔ امید جواب کا انتظار سخت تکلیف دہ ہوتا ہے اسکی شدت کا خود خوب تجربہ رکھتا ہوں اور اسی نسبت سے شرمندہ و عذرخواہ بھی ہوں۔

لیکن میں ایکبار اور ضمناً نہیں بار بار اور مستقلاً لکھ چکا ہوں کہ آنکھوں کی معذوری روز بروز افزوں ہے! اپنا ہی کام نہ معلوم کسطرح لشٹم پشٹم انجام دے لیتا ہوں۔ دوسروں کی خدمت کا قطعی اب اہل نہیں رہا ہوں.....

والسلام

دعاگو و دعاخواہ،۔ عبدالماجد عفی عنہ

تقریظ

از عالیجناب مولانا اکرام الحاج سید اسد اللہ کاظمی منگلوری زید مجدہٗ

سابق اسسٹنٹ ڈائریکٹر تعلیمات یو۔پی

چالیس رُباعیوں کا یہ مجموعہ ایک ایسے ذوقِ تجسُّس کی بازیافت ہے جو ایمان اور عقیدہ سے مُہذَّب ہو کر شعر و نغمہ کے سہارے عِرفان حق کی تلاش میں پرواز کرتا ہے۔

لفظ و بیان میں کیفیاتِ قلبی کا صحیح اظہار چاہے ان کا محرک مجازہی کیوں نہ ہو بڑا مشکل کام ہے۔ قلب کی گہرائیوں میں ڈوب کر بات کہنا اور اور اس طرح کہنا کہ کیفیات کا حق بھی ادا ہو جائے اور زبان کا بھی۔ کتنا مشکل ہے اسے وہی جانتے ہیں جنھوں نے آورد اور پامال بندشوں اور ترکیبوں سے ہٹکر بات کرنیکی کوشش کی ہے۔ عالم مجاز میں تو شاعر بے خوف و خطر زمین و آسمان کے قلابے ملا سکتا ہے کہ بات خواہ مشاہدہ حق ہی کی کیوں نہ ہو۔ وہ عارض و گیسو، ہجر و وصال۔ ساغر و مینا کی آڑ لیکر یوں بھی دور تک جا سکتا

ہے کہ۔ ع

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

لیکن عرفانِ حق کا میدان عالمے دیگر ست۔ یہاں کے آئین و آداب کچھ اور ہیں۔ یہاں نہ شباب کی سرمستی ہی کام آتی ہے نہ شیب کی پختگیٔ شعور۔ نہ جنوں کی وارفتگی اور نہ ہوش کی آگہی۔ نہ طبع موزوں کی سخن سنجی اور نہ ذہن رسا کی موشگافی۔ جب تک ان کی باگ ڈور قلبِ سلیم کے ہاتھ میں نہیں رہتی۔ اور قلبِ سلیم اسی کا حصہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کو مطیع کر کے عبودیت کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر تو کرتا ہے لیکن اس دائرہ سے بالکل خارج ہو کر بات نہیں کرتا۔ کیفیاتِ قلبی کا تقاضہ ہے اظہار، اور عبودیت کا مطالبہ ہے پاسِ ادب۔ اظہار اور ادب کی یہ کشمکش ہی وہ گرمیٔ نفس پیدا کرتی ہے جس سے تپ کر جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

ان رباعیوں میں یہی کشمکش کارفرما ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

توحید کے واردات دل میں رکھو کہنے میں بڑی پکڑ ہے۔ منہ سے نہ کہو

جو ظرف و نظر وسیع رکھتے ہیں سراجؔ دریا پی کر بھی ہیں سنبھالے خود کو

شاید اسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا ہے۔

ع ~~سخن اندر طریقِ ما گنا ہیست~~

اس کشمکش کا اثر اسلوب بیان پر بھی پڑتا ہے اور اس سے تربیت یافتہ ضبط نفس، کلام میں صلابت اور گہرائی پیدا کرتا ہے اور تخیل کو بے راہ روی سے بچاتا ہے۔ چنانچہ ان رباعیوں کی زبان سیدھی سادی ہے۔ ان میں نہ نادر تشبیہات کی بھرمار ہے اور نہ دور افتادہ ترکیبوں اور بندشوں کی بوچھار۔

باہم یاروں کا ملنا جلنا دیکھا ہم جنسوں کا ایک رخ پہ ڈھلنا دیکھا
لیکن سبقِ فنا ملا کل ہی سے آج پانی میں نمک کا جب سے گھلنا دیکھا۔

شاہدِ زبان کے پجاری، اشعار سنکر اکثر کہہ دیا کرتے ہیں کہ "ہاں مگر زبان کہیں کہیں مجروح ہو کر رہ گئی ہے۔" لیکن یہ حضرات بھول جاتے ہیں کہ زبان کی دلکشی کبھی کبھی رُخِ معنیٰ پر نقاب بھی بنجاتی ہے اور کہنے والا اور سننے والا دونوں اس دلکشی کے شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ الفاظ کا طلسم بہت پُرفریب ہے اس میں پھنس کر شاہدِ معنیٰ کا دامن اکثر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے مگر ان رباعیوں میں شاید ایسا نہیں ہونے پایا ہے۔ ذیل کی رُباعیوں میں ان اشارات زبان و بیان کی ضیافتِ طبع اور تسکین ذوق کا سامان بھی ملتا ہے مثلاً:-

مستی کی دھنوں میں گنگناتے پھرنا — اور چین کی بانسری بجاتے پھرنا
پنشن لیکر سراج کا شغل یہ ہے — داتا کے گنوں کے گیت گاتے پھرنا

باطن عالم کا ہے وہ ربّ اکبر — کثرت میں بھی ایک ہی پر رکھتا ہوں نظر
بوتل ہو سفید اور رنگیں شربت — سچ کہنا! نظر ہے پہلے پڑتی کس پر؟

حضرت سراج بعض جگہ ایسے نازک مقامات سے، جہاں قلم کی ذراسی لغزش بھی خسرانِ دارین کا باعث ہو سکتی ہے یوں گزر جاتے ہیں کہ نیازِ عبودیت کی اونچ اور پرواز، نازِ معبودیت کے آداب سے کبھی بے خبر نہیں ہونے پاتی چنانچہ کہتے ہیں ؎

حق، بحر و وجود۔ ہم عدم اور ساحل — قطرہ کہیں خود کو۔ اس پہ راضی نہیں دل
ہم قطرہ نہیں ہیں موج و دریا بھی نہیں — لیکن دریا کے ہیں ثبوتِ کامل

اک حسن ازل میں تھا۔ کوئی غیر نہ تھا — آئینہ مجھے بنایا۔ خود کو دیکھا
اب (کیا کہوں؟ آہ!) مجھ سے پردہ بھی ہے — صورت یہ ہوئی جب ان کی تو میں غیر ہوں کیا؟

توحیدِ وجودی، ترا اثبات ہے بس
آئینہ ترا عدم ہے تو ذات ہے بس
ہاں! ہم ترے عکس ہیں، کہ اس عکس کی آنکھ
خود ذات کو دیکھتی ہے یہ بات ہے بس

تو مہر، ترے سامنے ہم مات تو ہیں
لیکن تری ذات کا اک اثبات تو ہیں
کیا جانیں صفت ہیں ذات کا عکس کہ عین؟
ہم عین نہیں۔ تو پر توِ ذات تو ہیں!

تو یہ اُسی ضبطِ نفس اور تادیب بیان ہی کا کرشمہ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ رُباعیاں ایسے صاحبِ حال کے واردات قلبی کی ترجمان ہیں جو نہ حال میں اتنے ڈوب گئے ہیں کہ قال کی باگ ڈور ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے اور نہ قال کی بندشوں میں ایسے جکڑ گئے ہیں کہ حال کی نازک اور لطیف کیفیات ہی نظر سے غائب ہو جائیں۔

اسد اللہ کاظمی
الہ آباد۔ اپریل ۱۹۶۹ء

باسمہٖ سبحانہٗ

دیباچۂ مؤلف

حق تعالیٰ کی چند مخصوص صفات میں سے ایک صفت وہ ہے جسے عربی میں کلام اور فارسی میں سخن کہتے ہیں. کلام سے متکلم کی جتنی اور جیسی معرفت ہوجاتی ہے اتنی اور ویسی معرفت کسی دوسری صفت سے ممکن نہیں حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ ترین معجزہ بھی جو کلامُ اللہ ہی قرار پایا تو اس کا راز بھی یہی تھا کہ اس پردہ میں متکلم اپنی تمام شئون کمال کیساتھ جلوہ گر تھا اور ہے اور ہمیشہ رہنا چاہتا ہے کسی کا شعر دراصل اسی حقیقت کا بیان ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

کلام چونکہ حسنِ ازل ہی کا دوسرا نام ہے اسلئے شاہدِ ازل جَلَّ جلالہٗ نے ان تمام اہلِ نظر اور قدر شناس حضرات کو جنھوں نے اسکے کلام کے حسن کے ادراک میں اپنی دیدہ وری کا کامل ثبوت دیدیا. نہ صرف جنّاتِ نعیم کا بلکہ اس سے

بھی بڑھ کر اپنی "رویت و رضا" تک کا وعدہ فرمالیا لیکن جن کور باطنوں نے
اس کی ناقدری کی تو ان کو یہ فرما کر "کہ جو اس دنیا میں (اسکے حسن کے ادراک سے)
اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہیگا" اپنی نظروں سے گرا بھی دیا۔
کلام ہے تو ایک صفت مگر چونکہ یہ متکلم کے جملہ صفاتِ جلال و جمال
و کمال (علم و قدرت۔ رحم و غضب و غیرہ) کی آئینہ دار ہے اس لئے وہ اسکے
جملہ ہی صفات کے زور و اثر کا حامل ہوتا ہے۔ کلام اللہ کے بے پناہ زود تاثیر
کی عقلی توجیہ یہی ہے۔ ہائے کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا؟ جب تو نے یہ مئے ظالم شیشہ میں بھری ہوگی

کلام فطرت کا ایک مضراب ہے جسکی ہلکی سی چھیڑ سے بھی سازِ حیات
کے سارے تار جو قلب و روح اور ذہن و احساس میں مخفی رہتے ہیں یک لخت
جھنجھنا اُٹھتے ہیں کیونکہ اس میں بجلی جیسی نفوذی سُرعت ہے۔ گرج جیسی صلابت
ہے۔ شبنم جیسی لطافت ہے۔ نغمہ جیسی حلاوت ہے۔ شراب جیسی مستی ہے
گلاب جیسی دلکشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام سے انسان کا ہر حاسّہ سیراب
ہر ذائقہ کامیاب اور ہر رجحان بقدرِ ظرف و استعداد آسودہ ہو جاتا ہے۔
پس کلام گویا ایک "مئے مردافگن" ہے جسکی اتنی مستیوں، اتنی دلکشیوں

اور اتنی تاثیروں کا بیک وقت مقابلہ کرنا نہ خود متکلّم کے لئے آسان ہے
اور نہ سامع کیلئے۔ لوگ سامعین پر تو اس کے کچھ اثرات دیکھ بھی لیتے
ہیں مگر خود متکلم پر اس سے کیا کچھ گزر جاتی ہے اسے کوئی نہیں جانتا:۔

تکلُّم، تبسُّم، نگاہیں، ادائیں ہم اس دل کو آخر کہاں تک بچائیں
(ادسراج)

غرض ایک تو وہ یوں بھی مئے تند اور بادہ سرجوش ہوتی ہے
لیکن کسی مصنّف کی تخلیق فکری تو اسکی اولادِ معنوی اور بنات فکری بھی ہوتی
ہے اسلئے اسکی محبت دو آتشہ سہ آتشہ اور ناقابل برداشت بنجاتی ہے۔
تجربہ گواہ ہے کہ اگر کسی صاحب ذوق کے کام و دہن ہیں اس مئے سرکش
کے قطرے دو قطرے بھی پڑ جاتے ہیں تو ایک تو وہ مدّۃ العمر اس کا مزہ
نہیں بھولتا بلکہ ہونٹ ہی چاٹتا رہتا ہے۔ ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

دوسرے اسکا رسیا اکثر تو سرخوشی۔ مستی۔ بدمستی۔ بیہستی کے سارے
ہی مدارجِ بیخودی سے گزر جاتا اور پھر تو وہ خود نمائی اور خودستائی کیلئے
جیسے کچھ مجبور سا ہو جاتا ہے۔ مادّی شراب میں بھی (سنا ہے کہ) کبھی کبھی
تیزی اور اُبال سے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ گلابی کا کاگ تک اڑ

جاتا ہے اور کبھی تو پیراہنِ مینا کی دھجیاں اڑا کر وہ خود ہی ذوقِ عُریانی میں بے محابا پردہ سے باہر آجاتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر حیرت کیا ہے۔ اگر یہ مئے دو آتشۂ سخن بھی انسان کی عقل کا کاگ اڑا دے اور اسکی طبیعت کو خود داری کے پردے سے خارج کر دے۔

لیکن اگر اس سرکش نے کسی کا لوہا مانا ہے تو صرف ان مردوں کا جنھوں نے جہادِ زندگانی میں اپنی شمشیریں ع یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم کو بنایا ہے یہی حقیقت ہے جسکی تعبیر لسانِ وحی نے بالترتیب الّا الذین امنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیرا سے کی ہے۔ (ترجمہ۔ بجز ان شعرا کے جنھوں نے خدا کو مانا نیک عمل کیا اور خدا کو اکثر یاد رکھا

یعنی شاعر کے دل میں اس امر کا سچا اعتراف بھی ہو کہ یہ موزونیٔ طبع۔ یہ قوت تخئیل۔ یہ رنگا رنگیٔ بیان میرا نہیں حق تعالیٰ کا کمال ہے۔ اور پھر یہ انصاف بھی ہو کہ جب یہ کمال خدا کا ہے تو اس پر اترنے اور تعریف کئے جانے کا استحقاق بھی (مجھے نہیں) خدا کو ہے۔ اپنا حق اگر کچھ ہے تو بس اتنا کہ ہم دل سے خدا کا احسان اس کا مانیں اور

شکر اس پر کریں کہ اس نے اپنے اس کمال کے اظہار کے لئے ــــ اگر فی الواقع وہ کوئی کمال ہو ــــ اس بے کمالے کو بھی منتخب کر لیا اور اپنے اس کمال سے اس ذلیل کو بھی عزت اور سربلندی بخشی۔ ع

کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

ورنہ ہمارا اصل کمال تو بے کمالی اور ہماری صحیح تعریف تو ظلمت و بے ہُنری ہے :ـ

ہے کرم تجھ پر تو جائے شکر ہے ورنہ سراج
اک جہاں نذرِ تغافل ہے ہلاک نار ہے

جس ادیب و شاعر نے ان امور کو ذہن میں حاضر کر لیا۔ بس اُسی نے تو اپنے نفس کو اور اپنے رب کو پہچان لیا اور بس وہی تو اس سرکش کے فریب سے بچ سکا ورنہ جس نے بھی اسکی مستی و تاثیر کا مقابلہ خود اپنے دعوائے ہشیاری کے بل بوتے پر کرنا چاہا تو وہ اس کے ناوک بے پروا کا شہید اور اس کے تیغ ابرو کا گھائل ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ پھر یا تو وہ ع غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد کا اشتہار دیتا پھر یگا یا پھر "غریب الدیارِ عہد و نا آشنائے عصر" ہونیکا شکوہ کرنے لگے گا۔!

انھوں نے اپنے اندر اسی حسنِ ازل کی تجلیوں کا ایک شمہ دیکھ پایا تو اس کے اشارۂ چشم دابرو سے مسحور ہو کر اس کی رونمائی میں ہوش ایمانی کا نقد۔ عقلِ دینی کا مال وزر اور علم نافع کا گوہر محویت میں لٹا بیٹھے اور حسینؒ منصور کے نعرۂ انا الحق کی طرح یہ بھی بزبانِ حال انا المتکلم کا دعوی کرنے لگے۔ اب تو تسلیم کہ یہ لوگ جرمِ خودستائی کے مجرم ہیں مگر کوئی ان کے اس عذر کا لحاظ کیوں نہیں کرتا جو حافظ اور سعدی جیسے محرمانِ حسنِ ازل کہہ گئے ہیں کہ ؎

ایں ہمہ مستی و مدہوشی نہ حدِّ بادہ بود
باحریفاں آنچہ کرد "آں نرگسِ" مستانہ کرد (حافظؒ)

دوستاں زجر کنندم کہ چرا دل بتو دادم
کس نمی گویدت "آخر کہ چنیں خوب چرائی (سعدیؒ)

اگر ان کی عقل مسحور نہ ہو جاتی تو وہ یہ دو بینی ہرگز نہ کرتے کہ "گو مجھے تو خدا نے بنایا ہے مگر یہ کمال ہے میرا ہی" بلکہ وہ ایک ہی خدا کو اپنی ذات اور اپنے کمالات دونوں کا خالق و مالک سمجھتے، پس ان کا اصل جرم اس شرابِ سخن سے مست ہو جانا نہیں بلکہ

"دو بینی اور یہ دعوائے "انا" اور صفت کلام میں متکلم حقیقی کیساتھ شرک کرنا ہے:

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش　　عذر بدر گاہِ خدا آورد

۲

ان رباعیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت مرشدی علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے کسی متقدم صوفی کی ایک فارسی رباعی سُنی تو کمزور طبیعت پر ایک خاص اثر پڑ گیا۔ آپ بھی وہ رباعی سُن لیجئے:

درتارِ نگاہ، دُرِّ وحدت سُفتن　　در ساحتِ دل غبارِ کثرت رُفتن

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

بس اس کا سننا تھا کہ جیسے ذہن کے سامنے کا کوئی بند ٹوٹ گیا اور خیالات کا ایک سیل رواں ناگاہ دل کیطرف بہہ پڑا۔ طبیعت نہ معلوم کیوں تہ و بالا ہوتی رہی، آخر جب اس کا ترجمہ اردو رباعی میں ہو لیا تب کہیں جا کر خیالات کا فشار کم ہوا۔ پھر کچھ اضطراری ہی طور پر سحاب ذہن سے اسی رنگ کی چند رباعیاں تراوش کرنے لگیں۔

میں شعر و سخن میں کوئی دستگاہ یا ممتاز مقام تو نہیں رکھتا مگر خدا کا فضل اور استاد مرحوم حضرت اصغر گونڈوی کا فیض ہے کہ کچھ کہہ لیتا ہوں۔ فکری اور فنّی کمزوریاں میرے اندر بھی ہوں گی۔

ایک صالح معاشرہ اور اہل علم کا مجمع چونکہ فکر و فن کا بہترین نقّاد بھی ہوتا ہے اور قدر دان بھی۔ اس لئے اس وقت کچھ تو اپنے طبعی تقاضے سے اور کچھ احباب کے اصرار سے یہ رباعیاں جو شاید اردو میں ایک نئے رنگ کی حامل ہیں جسکی جھلک حضرت امجد حیدرآبادی مرحوم کے یہاں نظر آتی ہے اس اعتراف کیساتھ پیش کر رہا ہوں کہ: ؎

شرم آید از بضاعت بے قیمتم ولیک

در شہر آبگینہ فروش است و جوہری (سعدیؒ)

اگر یہ دس حضرات کو نا پسند ہوں گی تو ممکن ہے کہ دو چار حضرات کو پسند بھی ہوں تو میں انھیں کی پسند کو اپنی داد سمجھونگا۔

آخر کی پانچ رباعیوں میں "مرشد کامل کے مرتبہ" کے متعلق جو اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ معاشرہ اس نظریہ سے نا آشنا ہے مگر چونکہ یہ نظریہ، علم صحیح کے موافق ہے اور میرے لئے اس کا اظہار

ادائے شکر کے لئے لازم تھا۔ اس لئے آفریں و نفریں دونوں سے بے نیاز ہو کر ان کو بھی پیش کر رہا ہوں۔ آخر میں ایک غزل بھی تبدیل ذائقہ کے لئے حاضر ہے۔ شاید کسی کو پسند آجائے۔ بہر حال اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ جب آپنے اپنے خاص بندوں کی برکت سے قال پر کچھ قدرت بخشی ہے تو اب اپنے لطف سے حال کا بھی کوئی شمّہ نصیب فرمائے اور اس "مغرورِ سخن" کو گفتن سے نکال کر دیدن میں پہونچائے۔ ؎

زعزّ و عظمتِ رحماں نہ کم شود کاہے
زیک نگاہ بہ قلبِ سیاہِ گمراہے (از سرا جی)

(۳)

تقریظ اور پیش لفظ کی بیساکھی دوسروں کیلئے چاہے ضروری نہ ہو مگر مجھ نالائق و گمنام کیلئے تو ضروری ہے۔ اس دنیا میں جہاں بعض مشاہیر کا اصول یہ ہے کہ وہ ہر مصنف کو "لفٹ" دینا فن میں خیانت سمجھتے ہیں اور ان کی رائے ہے کہ مصنف و شاعر پہلے فن میں کمال اور معاشرہ میں مقام پیدا کر لے تو ہم اس پر قلم اٹھائیں۔ تو خیر یہ بھی صحیح ہے کہ

یہ نظریہ "داد و مارا قابلیت شرط نیست" کا ہے۔ مگر اسی دنیا میں بعض کریم طبائع ایسی بھی ہیں جو اپنی طرف سے تو ہمت افزائی ہر اس چیز کی کر دینا چاہتے ہیں جس میں زندگی کے کچھ بھی آثار ہوں گو ضعیف ہی سہی اور ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز اپنی طبعی موت مر جائے تو مر جائے مگر بے تربیتی اور کس مپرسی کے باعث تو نہ مرے۔ یہ نظریہ "اصل شرطِ قابلیت داد ما است" والا ہے۔ یہ گمنام کو مشہور اور مردہ کو زندہ بنانے والا ہے۔

بہر حال میں تعارف میں ایک تو ادیب فرید مولانا الحاج عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہٗ کا ایک مکتوبِ گرامی شائع کر رہا ہوں جو اگرچہ موصوف کا معذرت نامہ ہے مگر میرے لئے وہ بھی سرمایۂ افتخار ہے جن ہاتھوں سے کئی بار داد و تحسین کی شیرینی کھا چکا ہوں گوارا نہ ہوا کہ ایک تلخی سے ان سب کو بھلا دوں۔

اس کے بعد تقریظ، حضرت مخدوم و محترم سُلالۂ کرام عالی جناب الحاج سید اسد اللہ الکاظمی (سابق ڈائرکٹر ٹریننگ کالجز محکمہ تعلیمات یو، پی و رکن ادارۂ عالمی یو، اِن اسکو) کے قلم سے

ہے۔ میں اُسے اپنے لئے دربارِ اسد اللّٰہی کا ایک خلعت شاہی سمجھتا ہوں جس کا حُسن ہی یہ ہے کہ وہ "انعامی" کے جسم پر چست نہ ہو بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو تاکہ ہر آن و ہر لمحہ بزبانِ حال اور بہ آوازِ بلند اس کی شہادت دیا کرے کہ یہ تو ایک عطیہ شاہی ہے جسے ولیِ نعمت نے اپنے فراخیٔ حوصلہ اور وسعتِ نظر کا لحاظ کر کے ڈھیلا عطا فرمایا ہے

بہر حال :۔ ؎

نہ بہ نقشِ بستہ مشوّشم   نہ بہ حرفِ ساختہ سرخوشم
نفسے بہ یادِ تو می کشم   چہ عبارت و چہ معانیم

حسن منزل   ناکارہ
جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ جولائی ۱۹۷۰ء   سراج الحق۔ سراج مچھلی شہری
الہ آباد   غفرلہٗ

رباعیات

ہر جذبہ نہیں گستاخ، ہر شوق نہیں بیباک
ہے رمزِ محبت بھی گستاخی و بیباکی

(اقبالؒ)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مستی کی دھنوں میں گنگناتے پھرتا
اور چمن کی بانسری بجاتے پھرتا
بچپن سے کر سماج کا شغل یہ ہے
داتا کے گُنوں کے گیت گاتے پھرتا

(٢)

یارب ہر چیز میں میں تجھ کو دیکھوں
خوبی جو کہیں بھی ہو وہ تیری سمجھوں
وہ منع و عطا ہو یا کہ ہو نفع و ضرر
ہو فعل کسی کا اس کو تیرا ہی کہوں

(۲)

ہے ذات و صفات میں وہ یکتا معبود
کثرت پہ نہ جاؤ ہے یہاں ایک وجود
ہر صنعت و فعل ہر سکون و حرکت
سب کا فاعل تو ہے وہی حیّ و ودود

(۳)

نظروں میں ورِ احد پرو کر دیکھو
کثرت کا غبار دل سے دھو کر دیکھو
واحد کہہ کر نہ چھوٹو، توحید یہ ہے
واحد ہی کو اپنی ذات کھو کر دیکھو

(ترجمہ رباعی فارسی)

(۵)

یارب! ہے گنہ مری خمیر و فطرت
مجھ سے نہ بچی گنہ کی کوئی صورت
تا مرگ مری ہو گئی طاعت بھی گناہ
تو فضل سے کر دے اب گنہ کو طاعت!

(۶)

میں بد ہوں اگر تو مجھ کو معتوب ہی رکھ
گریان و پشیمان و خوار و مجبور ہی رکھ
لیکن تجھ کو ربوبیت ہی کی قسم!
رہ سامنے، پھر چاہے مجھے دور ہی رکھ

(٣)

تو رب میرا ہے اور میں تیرا ادیب
دوری میں تری نہیں مجھے صبر و شکیب
یا بخش دے دائمی حضوری مجھ کو
یا آ مرے پاس تام ترا ہے قریب

(۴)

تو ظاہر و واجب ہے تو حق اور یکتا
ممکن بھلا تیرے آگے کیا ہو پیدا؟
یارب! وہ فنائے تام حاصل ہو مجھے
دیکھوں موجود بس تجھی کو ہر جا

(۹)

توحید کا یا رب ہو عطا حال مجھے
دعوے بن کر ڈبو نہ دے قال مجھے
ہر قول و عمل لذیذ ہے حال کے ساتھ
بے حال ہو وبال قال و اعمال مجھے

(۱۰)

میں نے ہی تو سلجھائے ہیں گیسوئے وجود
محدود عدم نہیں مرا روئے وجود
نقطہ ہوں عدم کا جس کے ہیں دو رُخ
اک سوئے عدم ہے اور اک سوئے وجود

(۱۱)

عالم میں ہے موجود بس اک حیؒ و ودودؒ
کثرت ہے کہاں؟ غیر نہیں یاں موجود
لیکن یہ عدم موجود ہے "موجود نما"
اس کا بھی تو فرض کیجئے ایک وجود

(۱۲)

حق بحرِ وجود ہے، ہم عدم اور ساحل
قطرہ کہیں خود کو، اس پہ راضی نہیں دل
ہم قطرہ نہیں ہیں، موج دریا بھی نہیں
لیکن دریا سے ہیں بہ ثبوت کامل

(۱۳)

اندھا ہے کسی کو نہ یہاں جو دیکھے
کانا ہے جو حق کو چھوڑ خود کو دیکھے
بینا ہے وہی جو دیکھے دونوں کو ایک
بھینگا ہے جو اک وجود کو دو دیکھے

(۱۴)

لوہار کی بھٹی پہ میں اک دن گزرا
ناگہہ مجھے یاد حالِ منصور آیا
لوہا جو رہا آگ کے اندر کچھ دیر
نکلا تو "انا النار" ہی کہتا نکلا

(۱۵)

توحید کے واردات دل میں رکھ
کہنے میں بڑی بکھیڑ ہے منہ سے نہ کہہ
جو ظرف و نظر وسیع رکھتے ہیں سراج
دریا پی کر بھی ہیں سنبھالے خود کو

(۱۶)

جب حق سے ہے ہر عنایت موجود ترا
پھر کیوں دنیا ہی ہے مقصود ترا
جز حق نہ رضا کسی کی رکھنا مقصود
مقصود جو ہے وہی ہے معبود ترا

(۱۷)

صندوق کی شان بھی عجب ہے یا رب!
واحد ہے ذات اور کثرت مشرب
باطن میں چھپائی ہے تکلف ہر چیز
بس خود ظاہر ہے اور ناپید ہیں سب

(۳)

آیۂ تنزیل میں نبیؐ نے جو کچھ مانگا
تعلیم تو تھی ہی۔ ان کا یہ حال بھی تھا
"ذات و صفت و فعل میں مظہر کے کہیں
ظاہر مری نظروں سے نہ ہو پوشیدہ"

نہ حدیث ہے "اسالک ایمانا لا یرتد" ۱۲

(۱۹)

خاکی باڈی کا ریڈیو ہے انسان
اور بیٹری اسمیں اُجرتی ہے یہ جان
ہر خوبی تری ہے بیٹری ہی کے طفیل
گر ٹیک اسپر یہ جائے نازش ہے کہاں

(۲۰)

نے کوہ شکنی نہ بادیہ پیمائی
نے شاہوں کے آگے ناصیہ فرسائی
مشکل پڑی جب تو اپنے رب کے آگے
رویا جو ہے رحمت اسکی ہنستی آئی

(۲۱)

حاجی صاحب[عه] کا قول ہے اک مشہور
کہتے تھے کہ ناقص تھا مقام منصور
حافظ ضامن[عه] بھی اور بہت سے چشتی
اس بحر میں گھس کے کر گئے صاف عبور

(۲۲)

باطن عالم کا ہے وہ رب اکبر
کثرت میں بھی میں ایک پہ رکھتا ہوں نظر
بوتل ہو سفید اور رنگیں شربت
سچ کہنا اب نظر ہے پہلے پڑتی کس پر

عه مراد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر اور ان کے پیر بھائی حافظ ضامن صاحب تھانوی شہید ہیں ۱۲

(٢٢)

اک حسن ازل میں تھا کوئی غیر نہ تھا
آئینہ مجھے بنا کے "خود" کو دیکھا
اب کیا کہوں، وہ مجھ سے پردہ بھی ہے!
صورت جب بن آئی تو میں غیر ہوں کیا؟

(٢٣)

کمسن بچی کو میں نے دیکھا اک دن
جھولے سے گری، کہ اس پہ آیا تھا جن
بولی کہ "میں بیٹے والا دی کا ہوں"
ہاں حال قوی سے "غنیمت" ہے ممکن

(۲۵)

کہنے کو تو کلمہ ہے معراج توحید
مشکل ہے بہت پانا معراج توحید
ہاں نفس کچل ڈالو، مٹا دو خود کو
تب جا کے ادا ہوگا خراج توحید

(۲۶)

توحید زباں سے کہو، خوب کہو
اسرار جو دل میں آئیں، دل میں رکھو
"واردہ" ہے عروس، اور نامحرم خلق
غیرت کرو، اغیار نہ دیکھیں اس کو

(۴۷)

ہو دید نماز میں یہ عرفان مجھے
اُس جلوۂ ساق کی ہو پہچان مجھے
جب ہونے لگے حشر میں سجدے کی پکار
دکھلانا یہی جلوہ۔ یہی شان مجھے

(۴۸)

ہو کاش عبادات میں رویت تیری
پہچان تو لوں زرا ایسی صورت تیری
سجدہ کیلئے حشر میں ڈھونڈ ڈھونڈونگا تجھے
کام آئیگی واں دید و خلوت تیری

(۲۹)

بن دشمنِ نفس اور کر خود کو فنا
پردہ میں اسی فنا کے ہے تیری بقا
شیطان یہ کہتا ہے ۔ نہ کر نفس کو قتل
کر قتل تو بن جائے دنیا ہی میں خدا

(۳۰)

توحید وجودی کا ترا اثبات ہے بس
آئینہ ترا عدم ہے تو ذات ہے بس
ہاں ہم ترے عکس ہیں اس عکس کی آنکھ
خود ذات کو دیکھتی ہے یہ بات ہے بس

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

(٣١)

تو قہر ہے تو سامنے ہم بات تو ہیں
لیکن تری ذات کا کل اثبات تو ہیں
کیا جانیں صفت ہے ذات کا عکس کہ عین؟
ہم عین نہیں پرتوِ ذات تو ہیں!

(٣٢)

! جسم یاروں کا ملنا جلنا دیکھا
ہم جنسوں کا ایک سچ پہ ڈھلنا دیکھا
لیکن سبق فنا ملا کل ہی سراج
پانی میں نمک کا جب سے گھلنا دیکھا

۳۳

یہ ارض و سما، فقر و غنا، دشمن و دوست
یہ راحت و غم، آتش و نم، مغز پہ پوست
ہے بات تو تب کہ سمجھو ان سب کا سراج
یعنی "ہمہ از دوست" اور حالاً "ہمہ اوست"

۳۴

عارف دل جمع ہے۔ اسے مت دیکھو
پھلے پائیں جو دل پہ آئے۔ غم کیا جانے
یوں دیکھو تو ہے وہ صبر و تمکین کا پہاڑ
دیکھے کون اس کے دل کے طوفانوں کو

۳۵

یہ ذوق، یہ فکر و نطق، یہ سمع و بصر
یہ شوق، یہ حسن و عشق، یہ فن و ہنر
ہوتا تھا جب اتنے درجوں سے یوں فائق
اب وہ یقیں ہے تو کہ رسوائے نظر

۳۶

آدم کو کیا مست یہ انعام کیا
مسجودیت اپنی دے کے اکرام کیا
جب دے کے مسجودیت بھی ترا ہی پتہ
پھر مفت میں کیوں بشر کو بدنام کیا

(۳۷)

اللہ سے اخلاص اور ایمان ہی مانگ
اعمال میں اخلاق میں احسان ہی مانگ
جنت تو ہے موروثی تیرا اسے مانگنا کیا
عرفان، دیدار اور رضوان ہی مانگ

(۳۸)

اللہ اللہ! قلبِ عارف باللہ
میدان ہے ایک اپنے بازی شاہ
چوگان ہے مشیت اور عارف اک گیند
شاباش، ضربت پہ صلائے تحسین کی واہ

(٣٩)

پروانہ چراغ دیکھ کر مست ہوا
قطرہ قلزم کے سامنے پست ہوا
وہ مست ہے جو کہ جذب و لذت سے تری
ماسوا سے عدم کھنچ آیا اور مست ہوا

(٤٠)

عدموں میں وجود بھی عدم ہوتا ہے
اور عین و مظہر میں رقم ہوتا ہے
وہ اول و آخر ہیں ہیں اول و وسط تو پھر
وحدت ہیں ذات بھی ختم ہوتا ہے

ے ناپاکیوں کی بیچ کی پاکی بھی ناپاکی ہی کہی جاتی ہے ۱۲

(۴۱)

پی کر بادۂ اُلفت میں بہک جائے گا
ہر سجدۂ غیر سے تو رک جائے گا
ہاں! حشر میں دیکھ کر یہی جلوۂ ساقی
بے ساختہ اُس کے آگے جھک جائے گا

(۴۲)

رحمت کے خزانے جو ہیں تم سے معمور
ڈھانک اُن سے مرے گناہ اے ربِ غفور
بخشش سے کی تجھے نہ عصیاں مضر
پھر دے مجھے نشۂ سرِ حج کو حوز و حضور

مرتبۂ شیخِ کامل

(۴۲)

سب سے بھی شانِ شیخ بالا تر ہے
گر خیر تجلی ہے تو تخلیق اک شے
سب سے ہی بہت عزت و حرمت اسکی
شان اسکی نہیں لیا خلقت ابلیس کی

(۴۳)

کعبہ ہے بڑی جگہ کہ ہے بیت خدا
عرفان خدا بھی ہو تو ہے حج کا مزا
کم ہیں یہ ہیں حج کو جائیں بے صیقل شیخ
واں جلوہ فقط یہاں نظر اور جلوا

(۴۴)

جس نور نے کعبہ کو بنایا کعبہ
اور ہم میں بھی جلوہ ہے اسی نور کا سب
یوں کعبہ و شیخ تو مساوی ٹھہرے
کون اشرف خلق ہے ذرا اب تو بتا

(۴۵)

ہے شیخ بھی کعبہ۔ اے مریدِ صادق!
ہم فہمی ہی دونوں میں ہے واحد فارق
جو نور ہے کعبہ میں وہی شیخ میں ہے
صامت ہے وہاں تو ہے یہاں ناطق

(۴۶)

دلداری و نطق و خوش ادائی تو نہیں
صامت کعبہ میں رہنمائی تو نہیں
ہے طوفِ درِ شیخ بھی حج تیرا مگر
ہم دیکھ لے پہلے وہ ریائی تو نہیں

باسمہٖ سبحانہٗ

علامہ اقبالؒ کی غزل "خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ" کو دیکھ کر

لا الٰہ الا اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ — لا الٰہ الا اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ

سرِّ ذاتِ رحماں ہے، لا الٰہ الا اللہ — وصفِ خاصِ یزداں ہے لا الٰہ الا اللہ

اصل و روحِ ایماں ہے، لا الٰہ الا اللہ — یہ تمامِ عرفاں ہے لا الٰہ الا اللہ

عشقِ رب کا ساماں ہے، لا الٰہ الا اللہ — دردِ دل کا درماں ہے لا الٰہ الا اللہ

عارفوں کا ایماں ہے، اہلِ دل کی یہ جاں ہے — کیونکہ دیدِ جاناں ہے، لا الٰہ الا اللہ

یہ عطاءِ یزداں ہے، دولتِ فراواں ہے — بخت اس پہ نازاں ہے، لا الٰہ الا اللہ

جس نے جو کبھی پایا، سب طفیل تھا اس کا — پیش کارِ یزداں ہے، لا الٰہ الا اللہ

ہے یہی مئے اسلام، اس کا رنگ و بو ایماں — کیف اس کا احساں ہے، لا الٰہ الا اللہ

بادہ ہے یہ وحدت کا، مادہ "انا الحق" کا — نشہ اس میں پنہاں ہے، لا الٰہ الا اللہ

ذکر میں کروں "اُن" کا، یاد "وہ" کریں مجھ کو — عین لطفِ جاناں ہے، لا الٰہ الا اللہ

چھوڑ مت اسے اے دل، کھینچ پوری طاقت سے — یہ "کسی" کا داماں ہے، لا الٰہ الا اللہ

فضلِ حق ہے خلقت پر، نورِ حق ہے ظلمت میں — شمعِ بزمِ امکاں ہے، لا الٰہ الا اللہ

Scanned with CamScanner

یہ ریا کا ہے رہزن، یہ نفاق کا دشمن — درسِ صدق و ایقاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
یہ گنہ کو ڈھاتا ہے، شرک کو مٹاتا ہے — کفر اس سے لرزاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وسوسے اگر آئیں، یہ علاج ہے اُن کا — ریب و شک کا درماں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
غفلت اور نسیاں کا، دل پہ زنگ اگر آئے — صیقل اور سوہاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
دفعِ خشمِ خالق ہے، قفلِ در ہے دوزخ کا — فتحِ بابِ رضواں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
عقل کا ہے یہ مُرشد، خیر کی طرف رہبر — اس سے شر گریزاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وِرد جو رکھے اس کا، نزع و قبر و محشر کی — مشکل اس کو آساں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
عاصیوں کی راحت کو، مرحلہ میں برزخ کے — یہ دلیل و بُرہاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
حشر میں جہنم سے، بخشوا سکے سب کو — زور اس میں پنہاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
"جہر" سے خواہ ذکر "سِر" سے قلب میں اک نور — نفع یہ نمایاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

ہر نبی کا یہ کلمہ، ہر ولی کا یہ نعرہ — ذکرِ نوعِ انساں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
یہ اساسِ عالم ہے، رازِ فخرِ آدمؑ ہے — یعنی موتِ شیطاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
یہ زمین یہ افلاک، اس سے ٹل نہیں سکتے — یہ وقارِ میزاں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

جان، شرمِ عصیاں سے، کیوں سراج کھوتے ہو؟
شافعِ مُسلماں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

Scanned with CamScanner